سوال

(33)زکات کی رقم مدرسے میں دینا

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

اموالِ زکوۃ مفروضہ میں سے مدرسۃ العلوم میں دینا بایں طور کہ نقد روپیہ یا کتب حوالہ مہتمان مدرسہ کے کیا جاوے کہ وہ لوگ داخل مدرسہ کرکے نفقہ طلبا ومشاہرہ مدرسین ودیگر مصارف مدرسہ میں صرف کریں اور وہ کتب درس وتدریس میں رہیں۔ ازروئے کتاب اللہ تعالیٰ وسنتِ رسول اللہ ﷺ جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ حنفیہ کا اس باب میں کیا مسلک ہے؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

حسب تصریح فقہائے حنفیہ اموال زکوۃ میں تملیک شرط ہے، یعنی اس مال کو کسی اہل مصرف زکوۃ کی ملک گردانے، اس لیے بنائے مساجد وتکفین اموات میں اموال زکوۃ کو صرف کرنے سے عند الاحناف زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

ہدایہ میں ہے:

''ولا یبنی بها مسجد، ولا یکفن بها میت، لانعدام التملیک، وهو الرکن، ولا یقضی بها دین میت، لأن قضاء دین الغیر لا یقتضی التملیک منه، لا سیما فی المیت'' انتهی (الهدایة، ص: ۱۱۰)

''اس رقم سے مسجد بنائی جائے گی نہ میت کی تکفین کی جائے گی، کیونکہ یہاں ملکیت ثابت نہیں ہے، جب کہ ملکیت کا ثبوت اہم رکن ہے اور نہ اس کے ذریعہ میت کا قرض چکایا جائے گا، کیونکہ دوسرے کے قرض کو ادا کرنا اس کی جانب سے تملیک ثابت نہیں کرتے بالخصوص میت کے لیے۔''

اور ''فتح القدیر شرح الهدایة'' میں ہے:

''قوله: لانعدام التملیک، وهو الرکن: فإن الله تعالی سماها صدقة، وحقیقة الصدقة تملیک المال من الفقیر، وهذا فی البناء ظاهر، وکذا فی التکفین، لأنه لیس تملیکا للکفن من المیت'' انتهی (فتح القدیر ۲ ۲٦٤)

''یہ قول کہ تملیک نہیں پائی جاتی، جو اہم رکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صدقے کا نام دیا ہے اور صدقے کی حقیقت فقیر کو مال کا مالک بنانا ہے۔ یہ چیز تعمیر میں ظاہر ہے، ایسا ہی معاملہ تکفین کے سلسلے میں ہے، کیونکہ تکفین میں میت کو کفن کا مالک نہیں بنایا جاتا۔ ختم شد''

''البنایة فی شرح الهدایة للعینی'' میں ہے:

''لایبنی بالزکوۃ مسجد، لأن الرکن فی الزکوۃ التملیک . . . (وھوالرکن) وکذالا تبنی بھا القناطر والسقایات، ولا یحفر بھا الآبار، ولا تصرف فی إصلاح الطرقات وسد الثغور، ونحو ذلک مما لا یملک فیہ'' انتھی (البنایۃ فی شرح الھدایۃ ۳ ۴۶۲)

''زکات کے مال سے مسجد تعمیر نہیں کی جاسکتی، کیونکہ زکات کا اہم رکن فقیر کو مال کا مالک بنانا ہے اور یہ چیز اس میں نہیں پائی جاتی اور نہ اس سے میت کی تجہیز وتکفین کی جاسکتی ہے، کیونکہ یہاں بھی میت کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، جو ایک رکن ہے۔ اسی طرح سے پل نہیں بنائے جاسکتے اور نہ کنویں کھودے جاسکتے ہیں۔ سڑکوں کی مرمت ودرستی اور سرحدوں کی حفاظت وغیرہ کے کام بھی زکات سے نہیں کیے جاسکتے، کیونکہ ان سے تملیک ثابت نہیں ہوتی۔ ختم شد''

اور ''البحر الرائق'' میں ہے:

''ولا تدفع إلی بناء مسجد، وتکفین میت، وقضاء دینہ، وشراء قن یعتق، وعدم الجواز لانعدام التملیک الذي ھوالرکن فی الأربعۃ . . . والحیلۃ فی الجواز فی ھذہ الأربعۃ أن یتصدق بمقدار زکاتہ علی فقیر، ثم یأمرہ بعد ذلک بالصرف إلی ھزہ الوجوہ، لیکون لصاحب المال ثواب الزکاۃ، وللفقیر ثواب ھذہ القرب، کذا فی المحیط، وأشار المصنف إلی أنہ لو أطعم یتیما بنیتھا لا یجزئہ، لعدم التملیک، إلا إذا دفع لہ الطعام کالکسوۃ إذا کان یعقل القبض وإلا فلا'' انتھی (البحر الرائق ۲ ۲۶۱)

''مسجد کی تعمیر کے لیے زکات کی رقم دی جائے گی نہ میت کی تجہیز وتکفین کے لیے، اور نہ اس کے قرض کی ادائی کے لیے اور نہ غلام کو خرید کر آزاد کرنے کے لیے، کیوں کہ یہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ ان چاروں ہی صورتوں میں فقیر اور مسکین کو مال کا مالک بنانے کی کیفیت نہیں پائی جاتی ہے، جس کا ہونا ان چاروں ہی میں رکن ہے۔ ان چاروں معاملات میں زکات کا مال خرچ کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ اپنے مال کی زکات کسی فقیر کو دیدے، پھر وہ زکات دینے والا مال دار شخص اس فقیر شخص سے کہے کہ وہ فقیر اس مال کو ان چاروں معاملات پر یا ان میں سے کسی ایک پر خرچ کردے۔ اس طرح مال دار شخص کو زکات دینے کا ثواب مل جائے گا اور فقیر شخص کو ان چاروں معاملات میں خرچ کرنے کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔ یہ بات اسی طرح المحیط (نامی کتاب) میں لکھی ہوئی ہے۔ مصنف نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر اس نے زکات دینے کی نیت سے کسی یتیم بچے کو کھانا کھلادیا تو اس طرح کرنے سے زکات ادا نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں یتیم بچے کو مال کا مالک نہیں بنایا گیا سوائے اس کے کہ اگر اس نے اس کے لیے کھانے کو کپڑوں کی مانند پیش کردیا، بشرطیکہ وہ یتیم بچہ مال کا مالک بننے کی حقیقت کو سمجھتا ہو، ورنہ نہیں۔ ختم ہوا۔''

اور بھی ''البنایۃ فی شرح الھدایۃ'' میں ہے:

''وتجمع فی بیت المال من الأموال أربعۃ أنواع: منھا الصدقات، وھی زکوۃ السوائم والعشور، وما أخذہ العاشر من المسلمین الذین یمرون علیہ من التجار، ونوع آخر: ما أخذ من خمس الغنائم والمعدن والرکاز، ویصرف ھذین النوعین فی الأصناف التی ذکرھا اللہ فی کتابہ، وھو قولہ: إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ . . . الآیۃ، وقولہ تعالی: وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَیْءٍ . . . الآیۃ، فیصرف الیوم إلی ثلاثۃ أصناف: الیتامی والمساکین وابن السبیل، والنوع الثالث: ھوالخراج والجزیۃ، وما صولح علیہ مع بنی نجران من الحلل ومع بنی تغلب من الصدقۃ المضاعفۃ، وما أخذ العاشر من المستأمن من أھل الحرب، وما أخذ من تجار أھل الذمۃ، تصرف ھذہ فی عمارۃ الرباطات والقناطیر والجسور وسد الثغور وکری الأنھار العظام التی لا ملک لأحد فیھا کجیحون والفرات ودجلۃ، یصرف إلی أرزاق القضاۃ وأرزاق الولاۃ المحتسبین والمعلمین والمقاتلۃ وأرزاق المقاتلۃ، ویصرف إلی رصد الطریق فی دار الإسلام عن اللصوص وقطاع الطریق، والنوع الرابع: ما أخذ من ترکۃ المیت الذي مات ولم یترک وارثا أوترک زوجا أوزوجۃ، فمصرف ھذا نفقۃ المرضی فی أدویتھم وعلاجھم، وھم فقراء، وکفن الموتی الذین لا مال لھم، ونفقۃ اللقیط، وعقل جنایۃ، ونفقۃ من ھو عاجز من الکسب، ولیس لہ من یقضی علیہ فی نفقتہ وما أشبہ ذلک'' انتھی کلامہ مختصرا (البنایۃ ۳ ۴۶۰)

''بیت المال میں چار طرح کے اموال جمع کیے جائیں گے۔ ان میں سے ایک قسم صدقات کی ہے۔ یہ چرنے والے جانوروں اور عشر کی زکات ہے، جو عشر جمع کرنے والے نے مسلمان تاجروں سے حاصل کیا ہے۔ دوسری قسم: غنائم، معادن اور دفینے کا خمس ہے۔ ان دونوں طرح کے اموال کو زکات کے ان آٹھ مستحقین پر خرچ کیا جائے گا، جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''صدقات صرف فقرا کے لیے ہیں . . .'' (التوبہ: ۶۰) نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور جان لو کہ تم لوگوں نے مال غنیمت میں جو کوئی بھی چیز حاصل کی ہے . . .'' (الانفال: ۴۱) تو آج تین اصناف میں انھیں خرچ کیا جائے گا۔ یعنی یتامیٰ، مساکین اور مسافروں پر۔ تیسری قسم خراج اور جزیہ ہے اور

بنی نجران سے جن چیزوں پر مصالحت ہوئی تھی اور بنی تغلب کے ساتھ جس دوگنا صدقے پر مصالحت ہوئی تھی اور جو کچھ غیر مسلم معاہدین سے اور ذمی تاجروں سے وصول کیا جائے گا۔ یہ اموال دفاع، پل اور تعمیرات، سڑکوں کی درستی، بڑی بڑی نہروں کو کرائے پر اٹھانا، جو کسی ایک کی ملکیت نہیں ہے، جیسے جیحون، فرات، دجلہ کی نہریں، نیز یہ اموال قضات، ولات، محتسبین، معلمین اور مجاہدین کی تنخواہوں پر خرچ کیے جائیں گے۔ چوروں اور ڈاکوؤں سے دارالاسلام کے راستوں کو محفوظ رکھنے کے انتظامات پر صرف کیے جائیں گے۔ چوتھی قسم وہ اموال جو میت کے ترکے سے لیے جائیں گے، جس کا انتقال ہوگیا ہو اور اس کا کوئی وارث نہ ہو یا اس نے صرف شوہر یا بیوی چھوڑی ہو۔ تو اس کے مال کا مصرف اس کے علاقے کے فقرا، مریضوں پر خرچ کرنا اور ان کا علاج کرنا ہے اور ایسے مردوں کی تدفین کا انتظام کرانا ہے جو مال چھوڑ کر نہ مرے ہوں، لقیط کا خرچہ، قتل کی دیت اور اس شخص کا خرچہ جو روزی کمانے سے عاجز ہو اور اس کا کوئی ایسا مددگار نہ ہو جو اس کے اخراجات کا بار اٹھا سکے اور اس سے ملتی جلتی صورتیں۔ ان کا کلام ختم ہوا۔''

لیکن یہ مسلک ائمہ احناف کا کہ ''صدقہ میں تملیک رکن اعظم ہے'' مضبوط و مدلل بالدلائل القویہ ثابت نہیں ہے، بچند وجوہ:

اول: یہ کہ ائمہ احناف کے کلام میں خود تعارض ہے۔ ایک جگہ تو اثبات تملیک کرتے ہیں۔ بایں عبارت کہ:

''اِن اللہ تعالی سماھا صدقۃ، وحقیقۃ الصدقۃ تملیک المال للفقیر'' (فتح القدیر، ۲ ۲۶۷)

''یعنی اللہ نے اس کا نام صدقہ رکھا ہے اور صدقے کی حقیقت فقیر کو مال کا مالک بنا دینا ہے۔''

''وقالوا: ولا یبنی بھا مسجد لانعدام التملیک وھو الرکن'' (الھدایۃ، ص: ۱۱۰)

''اور انھوں نے کہا ہے کہ اس رقم سے مسجد تعمیر نہیں کی جائے گی کیوں کہ وہاں تملیک پائی نہیں جاتی جو اہم ترین رکن ہے۔''

اور دوسری جگہ ائمہ احناف نے تملیک کی نفی کی ہے۔ اور قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ... (التوبۃ: ۶۰) میں جو لام ہے، امام شافعی اس کو لام تملیک کہتے ہیں۔ اس کی ائمہ احناف تردید کرتے ہیں اور اس کو لام اختصاص قرار دیتے ہیں۔ عینی کی شرح ہدایہ میں ہے:

''(م) [ولنا أن الإضافۃ] (ش) أي إضافۃ الصدقات إلیھم (م) [لبیان أنھم مصارف] (ش) وأن تصیر العاقبۃ لھم (م) [لالإثبات الاستحقاق] (ش) لأن المجھول لا یصلح مستحقا، واللام للاختصاص لا للملک کما یقال: الجل للفرس، ولا ملک لہ، وکان المراد اختصاصھم بالصرف إلیھم، ومعانی اللام ترتقی إلی أکثر من عشرۃ، ولکن أصلھا للاختصاص، ولم یذکر الزمخشري في المفصل غیر الاختصاص لعمومہ، فقال: اللام للاختصاص، کقولک: المال لزید، والسرج للدابۃ، واللام في الآیۃ للاختصاص، یعني أنھم مختصون بالزکاۃ، ولا تکون لغیرھم، کقولھم: الخلافۃ لقریش، والسقایۃ لبني ھاشم، أي لا یوجد ذلک في غیرھم، ولا یلزم أن تکون مملوکۃ لھم، فتکون اللام لبیان محل صرفھا، وأیضا الفقراء والمساکین لا یحصون لکثرتھم، فکانوا مجھولین، والتملیک من المجھول محال'' (البنایۃ شرح الھدایۃ ۳ ۴۵۹)

''ہماری دلیل یہ ہے کہ صدقات کی اضافت ان کی جانب اس بات کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ وہ زکات وصول کرنے اور اسے استعمال کرنے کے حق دار ہیں اور مال کو بالآخر ان ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ استحقاق کو ثابت کرنے کے لیے نہیں ہے، کیونکہ مجہول مستحق نہیں ہو سکتا۔ اور لام اختصاص کے لیے ہے نہ کہ تملیک کے لیے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''الجل للفرس'' یعنی جل گھوڑے کے لیے ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ ان پر صرف کرنے کی بنا پر اس سے مراد اس کا اختصاص ہوتا ہے۔ لام کے دس سے زیادہ معانی آتے ہیں، لیکن اس کی اصل اختصاص ہے۔ زمخشری نے ''مفصل'' میں اختصاص کی عمومیت کی بنا پر اختصاص کے علاوہ کوئی مفہوم ذکر نہیں کیا ہے اور کہا ہے کہ لام اختصاص کے لیے ہے، جیسے تمہارا یہ کہنا کہ مال زید کے لیے ہے اور زین جانور کے لیے ہے۔ آیت میں لام اختصاص کے لیے ہے۔ یعنی یہ لوگ زکات کے لیے مختص ہیں، زکات ان کے علاوہ کے لیے نہیں ہوگی۔ جیسے ان کا قول ہے: خلافت قریش کے لیے خاص ہے اور پانی پلانا بنی ہاشم کے لیے مختص ہے۔ یعنی ان کے علاوہ میں یہ نہیں پایا جاتا۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ چیزیں ان کی ملکیت ہو جائیں۔ اس طرح لام زکات کے صرف کرنے کے محل کے بیان میں آیا ہے اور اس لیے بھی کہ فقرا و مساکین کی کثرت کی بنا پر ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے وہ لوگ مجہول ہیں اور مجہول کی تملیک محال ہے۔''

پھر جس شے کی نفی ہے، اسی کا اثبات کیا جاتا ہے۔ اور علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں دوبارہ رفع ایس تناقض کے جو یہ لکھا ہے :

''لأن التمليک رکن، لأنه الأصل في دفع الزکاة۔ فإن قلت : أنتم جعلتم اللام في الآية للعاقبة، ودعوى التمليک بدلالة اللام، فلم تبق إلا دعوى مجردة؟ قلت : معنى جعل اللام للعاقبة أن المقبوض يصير ملکا لهم في العاقبة، ثم يحصل لهم الملک بدلالة اللام، فلم تبق دعوى مجردة'' انتهى (البناية شرح الهداية ۳ ۴۶۴)

''بے شک تملیک رکن ہے، کیوں کہ زکات ادا کرنے میں یہی اصل ہے۔ لیکن اگر تم یہ کہو کہ تم لوگوں نے لام کو آیت کریمہ میں معاقبت کے لیے بنا دیا ہے اور تملیک کا دعویٰ لام کی دلالت سے کرتے ہیں تو یہ صرف دعوی ہی رہ گیا۔ تو میرا جواب یہ ہے کہ لام کو معاقبت کے معنی میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ قبضے کی گئی چیز آخر کار ان کی ملک میں ہوگی، پھر لام کی دلالت سے انھیں کی ملکیت حاصل ہوگی۔ لہٰذا یہ خالی دعویٰ نہ ہوا۔ ختم شد''

پس اس تقریر کا ضعف اور محض تاویل رکیک ہونا اہل بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور تعریف ''صدقہ'' کی جو شیخ ابن الہمام نے کیا ہے، صحیح نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت صدقہ کی یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کے واسطے نکالے کہ وہ مال وجوہِ خیر میں صرف کیے جاویں۔ پس جہاں مح تملیک ہوگا، وہ تملیک ہوگا، ورنہ بلا تملیک۔ اور اس کے مصارف کی تصریح حق تعالیٰ نے اپنے قول : اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ... (التوبۃ : ۶۰) میں فرمایا ہے۔

امام راغب نے ''مفردات القرآن'' میں لکھا ہے :

''والصدقة ما يخرجه الإنسان من ماله على وجه القربة كالزكاة'' انتهى (المفردات في غريب القرآن ۱ ۵۷۵)

''صدقہ وہ ہے جو انسان قرب الٰہی کے حصول کے لیے اپنے مال میں سے نکالتا ہے۔''

دوم یہ کہ بعض صورتوں میں صورت تملیک اصلاً نہیں پائی جاتی ہے اور وہ محل مصرفِ زکات قرار دیا گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قول تعالیٰ :

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (التوبۃ : ۶۰)

''صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پر جائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہ رو مسافروں کے لیے۔''

کے بارے میں امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے :

''ويذكر عن ابن عباس رضي الله عنهما : يعتق من زكاة ماله، يعطي في الحج، وقال الحسن : إن اشترى أباه من الزكاة جاز، ويعطى في المجاهدين والذي لم يحج، ثم تلا : اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ ... الآية'' (صحيح البخاري ۲ ۵۳۳)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے ذکر کرتے ہیں : بندہ اپنے زکات کے مال سے آزاد کر سکتا ہے۔ حج میں بھی دے سکتا ہے۔ حسن نے کہا ہے کہ اگر اس نے زکات کے مال سے اپنے والد کو خرید لیا تو جائز ہے اور مجاہدین کو دے سکتا ہے اور وہ جس نے حج نہیں کیا۔ پھر تلاوت فرمائی : اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ... ۔''

اور فتح الباری میں ہے :

''وصله أبو عبيد في كتاب الأموال من طريق حسان [بن] أبي الأشرس عن مجاهد عنه أنه كان لا يرى بأسا أن يعطى الرجل من زكاة ماله في الحج، وأن يعتق من الرقبة۔ أخرجه عن أبي معاوية عن الأعمش عنه، وأخرج عن أبي بكر بن عياش عن الأعمش عن أبي نجيح عن مجاهد عن ابن عباس قال : أعتق من زكاة مالك۔ وتابع أبا معاوية عبدة بن سليمان، رويناه في فوائد يحيى بن

معين روايةأبي بكر بن علي المروزي عنه عن عبدة عن الأعمش عن [ابن] أبي الأشرس، ولفظه: كان يخرج زكاته ثم يقول: جهزونا منها إلى الحج، وقال الميموني: قلت لأبي عبدالله: يشتري الرجل من زكاة ماله الرقاب فيعتق ويحمل في ابن السبيل؟ قال: نعم، ابن عباس يقول ذلك، ولا أعلم شيئا يدفعه، وقال الخلال: أخبرنا أحمد بن هاشم قال: قال أحمد: كنت أرى أن يعتق من الزكاة، ثم كففت عن ذلك، إني لم أره يصح، قال حرب: فاحتج عليه بحديث ابن عباس فقال: هو مضطرب۔ انتهى، وإنما وصفه بالاضطراب للاختلاف في إسناده على الأعمش كما ترى، ولهذا لم يجزم به البخاري۔''

''وقد اختلف السلف في تفسير قوله تعالى: وفي الرقاب فقيل: المراد شراء الرقبة لتعتق، وهو رواية ابن القاسم عن مالك، واختيار أبي عبيد وأبي ثور وقول إسحاق، وإليه مال البخاري وابن المنذر، وقال أبو عبيد: أعلى ما جاء فيه قول ابن عباس، وهو أولى بالاتباع، وأعلم بالتأويل، وروى ابن وهب عن مالك أنها في المكاتب، وهو قول الشافعي والليث والكوفيين وأكثر أهل العلم، رجحه الطبراني، وفيه قول ثالث: إن سهم الرقاب يجعل نصفين: نصف لكل مكاتب يدعي الإسلام، ونصف يشتري بها رقاب من صلى وصام۔ أخرجه ابن أبي حاتم وأبو عبيد في الأموال بإسناد صحيح عن الزهري أنه كتب ذلك لعمر بن عبدالعزيز۔'' (فتح الباري ۳ ۳۳۲)

''اور ابو عبید نے کتاب الاموال میں اسے موصول ذکر کیا ہے حسان بن ابو الاشرس کے طریق سے، انھوں نے مجاہد کے واسطے سے کہ ابن عباس کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنے مال کی زکات حج میں دے اور یہ کہ گردن آزاد کرے۔ انھوں نے اس کی تخریج کی ہے معاویہ کے واسطے سے، انھوں نے اعمش کے واسطے سے۔ نیز انھوں نے تخریج کی ہے ابو بکر بن عیاش کے واسطے سے، انھوں نے اعمش کے واسطے سے، انھوں نے ابو نجیح کے واسطے سے، انھوں نے مجاہد کے واسطے سے اور انھوں نے ابن عباس کے واسطے سے کہ انھوں نے فرمایا کہ اپنے مال کی زکوۃ میں سے آزاد کرو۔ ابو معاویہ کی عبدہ بن سلیمان نے متابعت کی ہے، یحییٰ بن معین کی فوائد میں ہمیں اس کی روایت بیان کی گئی ہے ابو بکر بن علی المروزی کی روایت عبدہ کے واسطے سے، ان کی اعمش کے واسطے سے اور ان کی ابن ابو الاشرس کے واسطے سے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: وہ اپنی زکات نکالتے تھے، پھر کہتے: اس میں سے میرے لیے حج کا سامان سفر تیار کرو۔ میمون نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے کہا کہ کوئی شخص اپنے مال کی زکات سے غلام خریدتا ہے، پھر اس کو آزاد کر دیتا ہے اور اس کو محاذ جنگ پر روانہ کر دیتا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں درست ہے۔ ابن عباس ایسا ہی کہا کرتے تھے اور اس کے علاوہ میں کوئی چیز نہیں جانتا جو اس کے مخالف ہو۔ خلال نے کہا: ہمیں خبر دی ہے احمد بن ہاشم نے کہ امام احمد نے کہا کہ میں سمجھتا تھا: زکات سے آزاد کیا جائے، لیکن پھر میں اس سے باز آگیا، کیونکہ میں اسے صحیح نہیں سمجھتا۔ حرب نے کہا: پھر ان کے سامنے حدیث ابن عباس کو بطورِ دلیل ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا: وہ مضطرب ہے۔ حدیث میں اضطراب کی بات اعمش پر اس کی سند میں اختلاف کی بنا پر ہے، جیسا کہ ہم نے دیکھا اور اسی لیے بخاری نے اسے بالجزم بیان نہیں کیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ کے قول وفی الرقاب کی تفسیر کے سلسلے میں سلف کے مابین اختلاف رہا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد غلام خرید کر اس کو آزاد کرنا ہے۔ یہ روایت ابن قاسم کی ہے مالک کے واسطے سے۔ ابو عبید، ابو ثور، اور اسحاق نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی کی جانب بخاری اور ابن المنذر مائل ہوئے ہیں۔ ابو عبید نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں جو اقوال ہیں، ان میں ابن عباس کا قول سب سے اعلیٰ ہے اور اس لیے کہ اتباعِ سنت اور تفسیر کے علم میں بھی وہ سب سے افضل ہیں۔ ابن وہب نے روایت کی ہے مالک سے کہ یہ مکاتب کے بارے میں ہے اور یہی قول شافعی، لیث، کوفیوں اور اکثر اہل علم کا ہے اور اسی کو طبرانی نے ترجیح دیا ہے۔ اس میں ایک تیسرا قول ہے کہ غلام آزاد کرانے کے سلسلے میں دو حصے کیے جائیں گے۔ ایک نصف ہر اس مکاتب کے لیے جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے، اور دوسرا نصف اس گردن کو آزاد کرانے کے لیے استعمال ہوگا جو روزے اور نماز کا پابند ہے۔ اس کی تخریج ابن ابی حاتم نے، اور ابو عبیدہ نے الاموال میں کی ہے صحیح اسناد کے ساتھ زہری کے واسطے سے کہ یہ مسئلہ انھوں نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھ بھیجا تھا۔''

اور تفسیر درمنثور میں ہے:

''ابن المنذر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: أعتق من زكاة مالك۔ وأخرج أبو عبيد وابن المنذر عن الحسن أنه كان لا يرى بأسا أن يشتري الرجل من زكاة ماله نسمة فيعتقها، وأخرج ابن المنذر وابن أبي حاتم عن عمر بن عبدالعزيز قال: سهم الرقاب نصفان، نصف لكل مكاتب ممن يدعي الإسلام، والنصف الباقي يشتري به رقاب ممن صلى وصام، وقدم إسلامه، من ذكر أو أنثى، يعتقون لله، قال أبو عبيد: قول ابن عباس أعلى ما جاءنا في هذا الباب، وهو أولى بالاتباع، وأعلم بالتأويل، وقد وافقه عليه كثير من أهل العلم'' (الدر المنثور ۴ ۲۲۴)

''ابن منذر رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ اپنے مال کی زکوۃ سے غلام آزاد کراؤ اور ابو عبید اور ابن منذر نے حسن کے واسطے سے تخریج کی

ہے کہ وہ اس امر میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سے غلام خریدے، پھر اس کو آزاد کردے۔ ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے عمر بن عبدالعزیز کے واسطے سے تخریج کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ گردن کا حصہ دو نصف ہے۔ ایک نصف اس مکاتب کے لیے ہے جو اسلام کا مدعی ہے اور باقی نصب سے اس غلام کو خریدا جائے گا جو نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے اور پہلے سے مسلمان ہے، خواہ مرد ہو یا عورت، انھیں اللہ کے لیے آزاد کیا جائے گا۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ ابن عباس کا قول سب سے اعلیٰ ہے اور اتباع کے لیے سب سے مناسب ہے۔ کیوں کہ یہی تاویل کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور اکثر اہل علم نے انھیں کی موافقت کی ہے۔''

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے:

''فَأما الرقاب فروي عن الحسن البصري ومقاتل بن حيان وعمر بن عبد العزيز وسعيد بن جبير والنخعي والزهري وابن يزيد أنهم المكاتبون، وروي عن أبي موسى الأشعري نحوه، وهو قول الشافعي والليث رضي الله عنهما، وقال ابن عباس والحسن: لا بأس أن تعتق الرقبة من الزكاة، وهو مذهب أحمد ومالك وإسحاق، أي أن الرقاب أعم من أن يعطى المكاتب أو يشترى رقبة فيعتقها استقلالا'' انتهى (تفسیر ابن کثیر ۲ ۴۴۵)

''اور رقاب سے مراد حسن بصری، مقاتل بن حیان، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، نخعی، زہری اور ابن یزید کی روایت کے مطابق مکاتب غلام ہیں۔ ابو موسیٰ کے واسطے سے بھی ایسی ہی روایت بیان کی گئی ہے اور یہی شافعی اور لیث کا قول ہے۔ ابن عباس اور حسن نے کہا ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے کہ زکات سے رقاب آزاد کرایا جائے۔ یہی مسلک احمد، مالک، اور اسحاق کا ہے۔ یعنی یہ رقاب عام ہیں اس سے کہ مکاتب کو دیا جائے یا غلام خرید کر اس کو آزاد کیا جائے۔''

پس وَفِي الرِّقَابِ کی ایک صورت عبداللہ بن عباس و حسن بصری و عمر بن عبدالعزیز نے یہ قرار دیا ہے کہ اموال زکوۃ میں سے لونڈی غلام خرید کر کے اولکیے جاویں اور یہی قول مالک، احمد، ابو عبید و دیگر ائمہ کا ہے۔ پس اس صورت میں ''تملیک للفقراء'' (فقیروں کو مال کا مالک بنانے کی کیفیت) اصلاً نہیں پائی گئی، بلکہ وہ متصدق خود بنفسہ اس مال زکوۃ سے متولی و مباشر اس کے شراء کا ہوا، پھر اس کو آزاد کیا۔ اور اس کا بیان صاف طور پر صاحبِ ہدایہ نے کیا ہے:

''ولا يشتري بها رقبة تعتق خلافاً لمالك رحمه الله حيث ذهب إليه في تأويل قوله تعالى: وَفِي الرِّقَابِ ولنا أن الإعتاق إسقاط الملك، وليس تمليك'' (الهداية، ص: ۱۱۰)

''اور نہیں خریدا جائے گا زکات کی رقم سے غلام جس کو آزاد کیا جائے (امام) مالک کے برخلاف جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَفِي الرِّقَابِ کی تاویل کے سلسلے میں ان کا مسلک ہے۔ ہمارے نزدیک آزاد کرنا ملکیت کو ساقط کرانا ہے نہ کہ مالک بنانا۔''

اور حاشیہ کشاف میں ہے:

''إن الأصناف الأربعة الأوائل ملاك لما عساه يدفع إليهم، وإنما يأخذونه ملكا، فكان دخول اللام لائقا بهم، وأما الأربعة الأواخر فلا يملكون ما يصرف نحوهم، بل ولا يصرف إليهم، ولكن في مصالح تتعلق بهم، فالمال الذي يصرف في الرقاب إنما يتناوله السادة والمكاتبون والبائعون، فليس نصيبهم مصروفا إلى أيديهم حتى يعبر عن ذلك باللام المشعرة بتملكهم، لا يصرف نحوهم، وإنما هم محال لهذا الصرف والمصلحة المتعلقة به'' (حاشیہ الکشاف لابن المنیر ۲ ۲۸۳)

''پہلی چار اصناف کا تعلق ملکیت سے ہے، کیوں کہ اس میں یہ چیز پائی جاتی ہے کہ ان کے حوالے کیا جائے اور وہ اس کو ملکیت کے طور پر لے لیتے ہیں۔ اس طور سے یہاں لازم کا دخول ان کے مناسب ہے۔ رہیں چاروں آخری اصناف تو اس میں وہ لوگ مالک نہیں بنتے ہیں کہ ان پر خرچ کیا جائے اور نہ ان کی طرف خرچ کیا جائے گا، بجز ان مصالح کے جو ان سے متعلق ہیں۔ وہ مال جو گردن آزاد کرنے کے لیے خرچ کیا جائے گا، اس کو صرف سید، مکاتب اور بیچنے والے ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کا حصہ ان کے ہاتھوں سے خرچ نہیں ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کی تعبیر ایسے لام سے کی جائے جو ان کی ملکیت کا پتا دیتی ہو اس کا جو کچھ ان کی جانب خرچ کیا جائے گا اور یہ سب محال ہیں، اس مصرف کے لیے اور اس مصلحت کے لیے جو اس سے متعلق ہے۔''

اور مؤیدات سے عدم اعتبار التملیک کی وہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے :

''عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : أمر رسول الله ﷺ بصدقة، فقيل : منع ابن جميل وخالد بن الوليد والعباس بن المطلب، فقال النبي ﷺ : ما ينقم ابن جميل إلا أنه كان فقيرا فأغناه الله ورسوله، وأما خالد فإنكم تظلمون خالدا قد احتبس أدراعه وأعتده في سبيل الله. . . '' الحديث (صحيح البخاري، رقم الحديث ١٣٩٩)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقے کا حکم دیا، پس کہا گیا کہ ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس بن عبد المطلب نے منع کیا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا : ابن جمیل کی کیا حیثیت ؟ وہ تو فقیر تھا اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے غنی بنا دیا۔ رہے خالد تو تم لوگ خالد کے ساتھ زیادتی کرتے ہو، کیونکہ اس نے اپنی زرہ اور اسلحہ وغیرہ اللہ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے۔''

فتح الباری میں ہے :

''وقد استدل بقصة خالد على جواز إخراج مال الزكاة في شراء السلاح وغيره من آلات الحرب والإعانة بها في سبيل الله، بناء على أنه عليه الصلاة والسلام أجاز لخالد أن يحاسب نفسه بما حبسه فيما يجب عليه'' (فتح الباري ٣ ٣٣٤)

''خالد کے قصے استدلال کیا گیا ہے کہ زکات کے مال سے اسلحہ اور آلاتِ حرب اور اعانت فی سبیل اللہ جائز ہے۔ اس بنیاد پر آپ ﷺ نے خالد کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنا حساب کریں اس چیز کے ساتھ جو انھوں نے اپنے اوپر عائد واجب کو ادا کرنے میں روک رکھی تھی۔''

اور عینی شرح البخاری میں ہے :

''والحديث فيه تحبيس آلات الحرب والثياب وكل ما ينتفع به مع بقاء عينه والخيل والإبل كالأعبد'' انتهى (عمدة القاري ٩ ٤٧)

''اور حدیث میں اسلحہ وغیرہ اور کپڑوں کو وقف کرنے کی دلیل ہے اور ہر اس چیز کو جس سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے اس کی اصل کی بقا کے ساتھ اور گھوڑا اور اونٹ، غلاموں کی مانند ہیں۔ ختم شد''

سوم یہ کہ قولہ تعالیٰ : وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ بلاشک کہ فرد کامل اس کے غزاۃ و مجاہدین ہیں، مگر لفظ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ کا عام اور کل وجوہِ خیر داخل فی سبیل اللہ ہے اور سنتِ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تخصیص ساتھ کسی فرد کے نہیں کی ہے۔ ہاں بعض بعض افراد کا ذکر احادیث صحیحہ میں آیا ہے، جیسے روایت ابوسعید خدری :

''قال : قال رسول الله ﷺ : لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة : لغازٍ في سبيل الله، أو لعامل عليها، أو لغارم. . . الحديث۔ أخرجه أبو داود في الزكاة، وابن ماجه، وسكت عنه المنذري، وأخرجه في الموطأ مرسلا'' (سنن أبي داود، رقم الحديث : ١٦٣٥، سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٨٤١، موطأ الإمام مالك ١ ٢٦٨)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ غنی کے لیے حلال نہیں ہے سوائے پانچ کے، مجاہد یا عامل یا قرض دار کے لیے. . . الحدیث۔ اس کی تخریج ابوداود نے الزکوۃ میں کی ہے اور ابن ماجہ نے، اور منذری نے سکوت اختیار کیا ہے اور موطا میں اس کی تخریج مرسل روایت کے طور پر ہوئی ہے۔''

پس اس حدیث نے وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ کے ایک فرد کو بیان کر دیا کہ وہ غازی مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ اور جیسے روایت ام معقل :

''قالت : كان أبو معقل حاجا مع رسول الله ﷺ، فلما قدم، قالت أم معقل : قد علمت أن على حجة فانطلقا يمشيان حتى دخلا عليه، فقالت : يا رسول الله إن على حجة وإن لأبي معقل بكرا، قال أبو معقل : صدقت، جعلته في سبيل الله، فقال رسول الله ﷺ : أعطها فلتحج عليه، فإنه في سبيل الله، فأعطاها البكر'' الحديث۔ أخرجه أبو داود في الحج۔ (سنن أبي داود، رقم الحديث ١٩٨٨)

''ام معقل نے کہا کہ ابو معقل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے گئے، پس جب وہ آئے تو ام معقل نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرے اوپر حج فرض ہے۔ وہ دونوں چلے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، پس انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ مجھ پر حج فرض ہے اور ابو معقل کے پاس ایک اونٹ ہے۔ ابو معقل نے کہا: تو نے سچ کہا، میں نے اسے اللہ کی راہ میں دے دیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو دے کہ وہ اسی اونٹ پر حج کرے، کیونکہ یہ بھی تو اللہ کی راہ میں ہے۔ تو انھوں نے اپنی بیوی کو اونٹ دے دیا۔ حدیث کی تخریج ابوداود نے کتاب الحج میں کی ہے۔''

کہا خطابی نے ''معالم السنن'' میں:

''فيه من التفقه جواز إحباس الحيوان، وفيه أنه جعل الحج من السبيل، وقد اختلف الناس في ذلك، فكان ابن عباس لا يرى بأسا يعطى الرجل من زكاته في الحج، وروي مثل ذلك عن ابن عمر، وكان أحمد بن حنبل وإسحاق يقولان: يعطى من ذلك في الحج، وقال أبو حنيفة وأصحابه وسفيان الثوري والشافعي: لا تصرف الزكاة إلى الحاج، سهم السبيل عندهم الغزاة والمجاهدون'' انتهى (معالم السنن ۱ ۴۶۶)

''اس حدیث میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ حیوان کو وقف کرنا جائز ہے۔ نیز اس میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ اپنے زکات کے مال میں سے حج کے لیے دے۔ ایسی ہی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی جاتی ہے۔ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور شافعی نے فرمایا کہ زکات کا مال حج کے مصرف میں نہیں لایا جائے گا۔ ان کے نزدیک سبیل سے مراد اللہ کی راہ کے غازی اور مجاہدین ہیں۔ ختم شد''

پس اس حدیث نے وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ کے ایک افراد کو بیان کیا کہ وہ حج بھی ہے۔ اور ممکن ہے استدلال اس پر ساتھ حدیث سہل بن ابی حثمہ کے:

''إن النبي ﷺ وداه بمائة من إبل الصدقة، يعني دية الأنصاري الذي قتل بخيبر'' أخرجه الأئمة الستة في كتبهم، واللفظ لأبي داود۔ (سنن أبي داود، رقم الحديث ۱۶۳۸)

''نبی ﷺ نے صدقے کے اونٹوں میں سے سو اونٹ دیت کے طور پر دیے، یعنی اس انصاری کی دیت جو خیبر میں قتل کیے گئے تھے۔ اس کی تخریج ائمہ ستہ نے اپنی کتابوں میں کی ہے اور مذکورہ الفاظ ابوداود کے ہیں۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ نے واسطے رفع فتنہ و اصلاح بین الناس کے سہل بن ابی حثمہ انصاری کو سو اونٹ زکوۃ مفروضہ میں سے دے دیا۔ پس اب مصارف ثمانیہ مذکورہ فی القرآن میں سے کس مصرف میں یہ داخل کیا جائے گا؟ پس امام مالک اور ایک جماعت اس کو ''غارمین'' میں داخل کرتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ ''غارم'' کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ:

''هو مدين مثل من استدان ليصلح بين الطائفتين في دية أو دين تسكينا للفتنة، وإن كان غنيا'' ذكره الزرقاني۔'' (شرح الزرقاني ۲ ۱۶۸) عون المعبود ۵ ۳۱)

''وہ قرض دار ہے، جس نے قرض اس لیے لیا کہ دیت اور قرض کے معاملے میں دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے یا فتنے کو رفع کرے، گرچہ وہ غنی ہو۔ اس کا ذکر زرقانی نے کیا ہے۔''

اور کہا خطابی نے ''شرح السنن'' میں:

''الغارم الغني فهو الرجل يتحمل الحمالة، ويدان في المعروف وإصلاح ذات البين، وله مال إن بيع فيها افتقر، فيعطى من الصدقة ما يقضي به دينه، فأما الغارم الذي يدان لنفسه وهو معسر فلا يدخل في هذا المعنى، لأنه من جملة الفقراء أيضا''

قال الخطابي: ''يشبه أن يكون النبي ﷺ إنما أعطاه ذلك من سهم الغارمين على معنى الحمالة في إصلاح ذات البين، لأنه قد شجر بين الأنصاري وبين أهل خيبر في دم القتيل الذي وجد بها منهم، فإنه لا مصرف بمال الصدقات في الديات'' (معالم السنن ۱ ۳۳۳، ۳۳۵)

''غارم غنی وہ شخص ہے جو تاوان کا تحمل ہو اور اصلاح بین الناس جیسے معروف کام کے لیے قرض لیتا ہو اور اس کے پاس اتنا ہی مال ہو کہ اگر اس نے اپنے پاس سے دیا تو وہ فقر میں مبتلا ہو جائے گا تو صدقے کے مال سے اس کو اتنا دیا جائے گا جو اس کے قرض کے لیے کافی ہو۔ رہا وہ غارم (مقروض) جو اپنے لیے قرض لیتا ہے اور وہ تنگ دست ہے تو یہ غنی کے حکم میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ عام فقرا کی طرح ہے۔ خطابی نے کہا کہ ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو صرف اس بنا پر غارمین کے حصے میں سے دیا ہوگا کہ اسے اصلاح ذات البین پر محمول کیا ہوگا، کیونکہ انصاری اور اہل خیبر کے درمیان، اس مقتول کے سلسلے میں جو وہاں پایا گیا تھا، نزاع پیدا ہو گیا تھا، کیونکہ دیتوں (خون بہا) کے لیے صدقات کا مال صرف نہیں کیا جاتا۔''

اور ائمہ احناف اس کو ''غارمین'' میں داخل نہیں کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک ''غارم'' کی وہ تعریف ہے جو ہدایہ میں ہے:

''والغارم من لزمه دين، ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه، وقال الشافعي: من تحمل غرامة في إصلاح ذات البين وإطفاء التائرة بين القبيلتين'' انتهى (الهداية ۱ ۱۱۲)

''اور غارم وہ شخص ہے جس کے اوپر قرض ہو اور اپنے قرض سے زیادہ فاضل نصاب کا مالک نہ ہو۔ شافعی نے کہا ہے کہ غارم وہ ہے کہ جو شخص آپسی نزاع کے اصلاح کرانے میں قرض دار ہو گیا یا دو قبیلوں کے درمیان جھگڑا ختم کروانے کے لیے قرض دار ہو گیا۔ ختم شد''

''عن الزهري أنه سئل عن الغارمين، قال: أصحاب الدين، وابن السبيل، وإن كان غنيا، وقال مجاهد: من احترق بيته، وذهب السيل بماله، وادان على عياله'' انتهى (تفسير الدر المنثور للسيوطي ۴ ۲۲۵)

''زہری سے روایت ہے کہ ان سے غارمین کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: قرض دار لوگ اور مسافر اگرچہ غنی ہو۔ مجاہد نے کہا کہ جس کا گھر جل کر تباہ ہو گیا اور سیلاب کے سبب مال و اسباب سب ختم ہو گیا اور اس نے اپنے عیال کے لیے قرض لیا۔''

اور لغت میں ''غریم'' قرض دار کو کہتے ہیں۔ مفردات القرآن میں ہے:

''الغرم ما ينوب الإنسان في ماله من ضرر لغير جناية منه، يقال: غرم كذا غرماً ومغرماً. والغريم يقال لمن له الدين، ولمن عليه الدين، قال تعالىٰ: والغارمين وفي سبيل الله'' انتهى (مفردات القرآن ۲ ۱۵۱)

''غرم جو انسان کے مال میں بغیر کسی جرم کے آفت آتی ہے اور غریم وہ شخص ہے جس نے قرض دیا ہو اور جس کے اوپر قرض ہو، جیسا کہ فرمایا: غارمین اور فی سبیل اللہ۔ ختم شد''

اور ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں ہے:

''الغرم هو من الخسران، وكان الغارم هو الذي خسر ماله، والخسران النقصان، وقال أبو جعفر البغدادي، الغارم من لزمه دين، وإن كان في يده مال، ولكنه لا يكفي لأداء الدين، فصار كمن لا مال له'' انتهى (البناية شرح الهداية للعيني ۳ ۴۵۳)

''غرم خسران میں سے ہے اور غارم وہ شخص ہے جس کا مال خسارے میں ہو اور خسران نقصان کو کہتے ہیں۔ ابو جعفر بغدادی نے کہا ہے کہ غارم وہ ہے جس کے اوپر قرض ہے، اگرچہ اس کے پاس مال ہو، لیکن وہ مال قرض ادا کرنے کے لیے ناکافی ہو، تو یہ شخص ایسے ہے جیسے اس کے پاس مال نہیں ہے۔''

پس حدیث سہل بن ابی حثمہ کو تحت الغارمین داخل کرنے اور فی سبیل اللہ سے خارج کرنے پر کوئی دلیل قوی نہیں ہے سوائے احتمال اور ظن کے، جیسا کہ خطابی نے بلفظ ''یشبہ'' ذکر کیا ہے۔ بلکہ ظاہر حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ داخل تحت فی سبیل اللہ ہے، کیونکہ صلح بین الطائفتین اور تسکین فتنہ رفع القتال اعظم امور خیر میں ہے۔ پس فی سبیل اللہ میں اس کو نہیں داخل کرنے کی دلیل قوی چاہیے۔ اس لیے بعض ائمہ نے ''سبیل اللہ'' کو عموم پر رکھا ہے اور سارے امور خیر کو اس میں داخل کیا ہے اور شرط تملیک کو باطل کیا ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے :

''وعلم أن ظاهر اللفظ في قوله وَفِي سَبِيلِ اللهِ لايوجب القصر على كل الغزاة، فلهذا المعنى نقل القفال في تفسيره عن بعض الفقهاء أنهم أجازوا صرف الصدقات إلى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الحصون وعمارة المساجد، لأن قوله وَفِي سَبِيلِ اللهِ لعام في الكل'' (التفسیر الکبیر ١٦ ٨٨)

''معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قول وَفِي سَبِيلِ اللهِ کا ظاہری لفظ صرف غزات پر ہی محمول نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہا کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں نے جائز قرار دیا ہے کہ صدقات کے مصارف تمام خیر کے کام ہیں، جیسے مردے کی تکفین، قلعوں کی تعمیر اور مساجد کی تعمیر۔ کیونکہ اللہ کا قول وَفِي سَبِيلِ اللهِ ہر ایک کو عام ہے۔''

اور تفسیر خازن میں ہے :

''وفي سبيل الله : يعني وفي النفقة في سبيل الله، وأراد به الغزاة، فلهم سهم من مال الصدقات، فيعطون إذا أرادوا الخروج إلى الغزو، وما يستعينون به على أمر الجهاد من النفقة والكسوة والسلاح والمؤنة فيعطون وإن كانوا أغنياء، لما تقدم من حديث عطاء وأبي سعيد الخدري، ولا يعطى من سهم سبيل الله لمن أراد الحج عند أكثر أهل العلم، وقال قوم : يجوز أن يصرف سهم سبيل الله إلى الحج، يروى ذلك عن ابن عباس، وهو قول الحسن، وإليه ذهب أحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه، وقال بعضهم : إن اللفظ عام، فلا يجوز قصره على الغزاة فقط، ولهذا أجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبيل الله إلى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغير ذلك، قال : لأن قوله : وَفِي سَبِيلِ اللهِ عام في الكل، فلا يختص بصنف دون غيره'' (تفسیر الخازن ٣ ١١٣)

''فی سبیل کا مطلب اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے اور اس سے مراد غزاۃ ہیں جن کا حصہ صدقات کے مال میں سے ہے۔ اگر وہ غزوات میں جانے کا ارادہ کریں گے تو ان کو دیا جائے گا اور اس سلسلے کے جو بھی اخراجات ہوں گے نفقہ، کپڑا، اسلحہ اور سامان وغیرہ، سب کچھ دیا جائے گا، گرچہ وہ اغنیا ہوں، جیسا کہ عطا اور ابو سعید خدری کی حدیث میں گزرا۔ اکثر اہل علم کے نزدیک فی سبیل اللہ کی مدد سے حج کے لیے جانے والوں کو نہیں دیا جائے گا۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ حج پر جانے والے کو سبیل اللہ کے مد سے دینا جائز ہے۔ اس کی روایت ابن عباس کے واسطے سے کی جاتی ہے اور یہی حسن کا قول ہے اور اسی جانب احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ گئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ لفظ عام ہے، اس لیے اس کو صرف غزات پر محدود کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے بعض فقہا نے اجازت دی ہے کہ سبیل اللہ کا حصہ تمام خیر کے کاموں کے لیے ہے۔ اس میں مردے کی تکفین، پلوں کی تعمیر، قلعوں کی تعمیر، مساجد وغیرہ کی تعمیر شامل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول وَفِي سَبِيلِ اللهِ ہر ایک کے لیے عام ہے۔ اس لیے کسی خاص صنف کے لیے اسے مختص نہیں کیا جائے گا۔''

اور بعض فقہا نے بھی وَفِي سَبِيلِ اللهِ کو عام رکھا ہے۔ ''البحر الرائق شرح کنز الدقائق'' میں ہے :

''قوله : ومنقطع الغزاة۔ هو المراد بقوله تعالى : وَفِي سَبِيلِ اللهِ وهو اختيار منه لقول أبي يوسف، وعند محمد : منقطع الحاج، وقيل : طلبة العلم، واقتصر عليه في الفتاوى الظهيرية، وفسره في البدائع بجميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله تعالى وسبيل الخيرات إذا كان محتاجا'' (البحر الرائق ٢ ٢٦٠)

''مجاہدین ہی اللہ تعالیٰ کے قول وَفِي سَبِيلِ اللهِ سے مراد ہیں۔ ابو یوسف کے قول کے مطابق یہی مختار ہے اور امام محمد کے نزدیک حج کرنے والے بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ طلبہ بھی مراد ہیں، جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں اسی پر اقتصار کیا گیا ہے۔ بدائع میں اس کی تفسیر کی گئی ہے کہ تمام تقرب الٰہی کے کام (فی سبیل اللہ میں داخل ہیں) اس طور سے اس میں ہر وہ سعی کرنے والا داخل ہو جائے گا، جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کے لیے ہو اور خیر کے راستے میں ہو اگر وہ محتاج ہے۔''

اور تفسیر آلوسی میں ہے :

''وفي سبيل الله : أريد بذلك عند أبي يوسف : منقطعوا الغزاة، وعند محمد : منقطعوا الحج، وقيل : المراد طلبة العلم، واقتصر عليه في الفتاوى الظهيرية، وفسره في البدائع بجميع القرب، فيدخل

فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ تعالی و سبیل الخیرات، وقال فی البحر : ولایخفی اَن قید الفقراء لابد منہ علی الوجوہ کلھا'' انتھی (تفسیر روح المعانی للآلوسی ۱۰ ۱۲۳)

''اور فی سبیل اللہ سے مراد ابو یوسف کے نزدیک غزوات میں شرکت کرنے والے ہیں اور محمد کے نزدیک حج کے لیے رخت سفر باندھنے والے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد طلبا ہیں۔ فتاویٰ ظہیریہ میں اسی پر اقتصار کیا گیا ہے۔ بدائع میں اس کی تفسیر ہے کہ تمام تقرب الٰہی کے کام اس میں شامل ہیں۔ اس طور سے اس میں ہر وہ سعی کرنے والا داخل ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ہو اور خیر کے راستے میں ہو اور یہ چیز مخفی نہیں ہے کہ تمام صورتوں میں اس کو فقرا کے ساتھ مقید یا مختص ضرور کیا جائے گا۔''

اور ''البنایۃ فی شرح الھدایۃ'' میں ہے :

''وفی المرغینانی : وقیل : وَفِیْ سَبِیْلِ اللہِ طلبۃ العلم'' انتھی (البنایۃ شرح الھدایۃ ۳ ۴۵۵)

''اور مرغینانی میں ہے : کہا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد طلبہ ہیں۔ ختم شد''

پس جن لوگوں نے فی سبیل اللہ کو اپنے عموم پر رکھا ہے یعنی سوائے ان مصارف سبعہ مذکورہ اور کل امور خیر کو مراد لیا ہے، جس میں رضائے حق تعالیٰ مقصود ہو اور کسی حدیث مرفوع صحیح یا اثر صحابہ کی مخالفت لازم نہیں آوے، کلام اس کا اقرب الی الصواب واوفق الی لفظ القرآن ہے اور کل اصناف ثمانیہ میں تملیک کا تحقق نہیں ہے۔ پس شرط تملیک لگا کر اور اس کو رکن قرار دے کر بنائے مسجد وغیرہ کو مصرف زکوۃ قرار نہیں دینا غیر صحیح ہے۔ بلکہ جس طرح مجاہد غازی فی سبیل اللہ کو مال زکوۃ اس غرض سے دیا جاتا ہے کہ وہ امور متعلق غزوہ میں اس کو صرف کرے اور وہ اس کا محل و مصرف قرار دیا گیا ہے اور محض اس کی ذاتی منفعت کی غرض سے وہ مال اس کو نہیں دیا جاتا ہے، پس اسی طرح مہتمان مدارس علوم دینیہ کو اموال زکوۃ مفروضہ سے دینا بایں غرض کہ وہ انفاق طلبہ و دیگر مصارف مدرسہ میں صرف کریں یا کتب دینیہ خرید کر حوالہ کریں کہ اس میں طلبہ پڑھیں، بلاشک جائز ہوسکتا ہے اور محل و مصرف زکوۃ قرار دیا جاسکتا ہے، اور تحت عموم قولہ تعالیٰ وَفِیْ سَبِیْلِ اللہِ داخل ہوسکتا ہے۔

ایک فائدہ جلیلہ متعلق اسی مسئلہ کے یہ ہے جو ''سبل السلام شرح بلوغ المرام'' میں ہے :

''الغارم تحل لہ الصدقۃ، وإن کان غنیا، وکذلک الغازي تحل لہ أن یتجھز من الزکاۃ، وإن کان غنیا، لأنہ ساع فی سبیل اللہ۔ قال الشارح : ویلحق بہ من کان قائما بمصلحۃ عامۃ من مصالح المسلمین کالقضاء والإفتاء والتدریس، وإن کان غنیا، وأدخل أبو عبیدۃ من کان فی مصلحۃ عامۃ فی العاملین، وَشار إلیہ البخاري حدیث قال : باب رزق الحاکم والعاملین علیھا۔ وأراد بالرزق ما یرزقہ الإمام من بیت المال ممن یقوم بمصالح المسلمین، کالقضاء والتدریس، فلہ الأخذ من الزکاۃ فیما یقوم بہ مدۃ القیام بالمصلحۃ، وإن کان غنیا۔ قال الطبري : إنہ ذھب الجمھور إلی جواز أخذ القاضی الأجرۃ علی الحکم، لأنہ یشغلہ الحکم من القیام بمصالحہ، غیر أن طائفۃ من السلف کرھوا ذلک، ولم یحرموہ۔ وقالت طائفۃ : أخذ الرزق علی القضاء إن کانت جھۃ الأخذ من الحلال کان جائزا إجماعا، ومن ترکہ فإنما ترکہ تورعا۔'' (سبل السلام ۲ ۱۴۶)

''غارم کے لیے صدقہ حلال ہے، گرچہ وہ مال دار ہو۔ اسی طرح غازی کے لیے حلال ہے کہ زکوۃ کی رقم سے اس کے لیے انتظام کیا جائے، گرچہ وہ غنی ہو، کیونکہ وہ اللہ کی راہ میں سعی کرنے والا ہے۔ شارح نے کہا ہے کہ یہی حکم اس سے بھی ملحق کیا جائے گا جو مسلمانوں کے عام مصالح کے کام انجام دے رہا ہو، جیسے قضا، افتا اور تدریس، گرچہ وہ غنی ہو۔ ابو عبید نے اس شخص کو بھی شامل کیا ہے جو عاملین کے مصالح کے کام انجام دے رہا ہو۔ اسی کی جانب بخاری نے اشارہ کیا ہے اور کہا ہے : ''باب رزق الحاکم والعاملین علیھا'' یعنی حاکم اور عاملین کے رزق کا بیان۔ رزق سے مراد ان کے نزدیک وہ ہے جو امام بیت المال سے اسے دیتا ہے، جو مسلمانوں کے مصالح کے کام انجام دیتا ہو، جیسے قضا اور تدریس، تو اس کو زکوۃ کی رقم سے لینا جائز ہے، اس کام کے عوض اس مخصوص مدت میں جس میں وہ کام انجام دے رہا ہے، اگرچہ وہ غنی ہو۔ طبری نے کہا ہے : جمہور کا مسلک یہ ہے کہ قاضی کا قضا کے سلسلے میں اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ وہ اپنے مصالح کی انجام دہی سے مشغول ہوتا ہے۔ ہاں سلف کے ایک طبقے نے اسے مکروہ کہا ہے، لیکن حرام نہیں قرار دیا ہے اور ایک گروہ نے کہا ہے : قضا پر اجرت (رزق) لینا اگر وہ حلال صورت میں ہے تو بالاجماع جائز ہے اور جس نے اسے چھوڑا ہے تو اس کا چھوڑنا زُہد کی بنا پر ہے۔''

وقال الآلوسی فی تفسیرہ :

''ويجوز صرف الزكاة لمن لا تحل له المسألة بعد كونه فقيراً، ولا يخرجه عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية إذا كانت مستغرقة للحاجة، ولذا قالوا: يجوز للعالم وإن كانت له كتب تساوي نصبا كثيرة إذا كان محتاجاً إليها للتدريس ونحوه أخذ الزكاة، بخلاف العامي'' (انتهى (روح المعانی ۱۰ ۱۲۰)

''زکات دینا جائز ہے، اس کے لیے جس کے لیے بھیک مانگنا حلال نہیں تھا فقیر ہونے کے بعد۔ فقر سے اس کو نہیں نکال سکتی ملکیت غیر نامیہ یعنی ایسی ملکیت جو بڑھنے والی نہ ہو، جبکہ اس کو شدید حاجت ہو۔ اسی لیے انھوں نے کہا ہے کہ عالم کے لیے جائز ہے، اگرچہ اس کے پاس ڈھیروں کتابیں ہوں، جب وہ تدریس کے لیے ان کتابوں کا محتاج ہو کہ وہ زکات لے، عامی کے برخلاف۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

مجموعہ مقالات، وفتاویٰ

صفحہ نمبر 167

محدث فتویٰ